© rasailojaraid.com

ادبیات اردو اور ترکان عثمانی

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار*

اردو اور ترکی ادبیات کے تہذیبی و ثقافتی سرچشمے ایک ہی ہیں ۔ اس لیے ان میں پائی جانے والی فکر و نظر ، جذبہ و احساس ، غم اور خوشیاں ، تہذیبی و معاشرتی رویوں میں بہت سے مماثلتیں ملتی ہیں ۔ جب ہم اردو کے غزل گو شاعر مرزا اسد اللہ خاں غالب کا مطالعہ کرتے ہیں تو اُن کے ہاں اپنے ماحول کے درد و غم کے ساتھ ساتھ زندگی کے بارے میں جو صحت مند رویہ ملتا ہے وہ اُن کی ترکانہ خصوصیات کا روایتی مظہر ہے ۔ زندگی میں المیہ احساس کے اعتراف کے باوجود خوش طبعی اور خوش ذوقی کے جوہر کو برقرار رکھنا ، حقائق زندگی سے منہ نہ موڑنا ، کار زار حیات میں نبرد آزمائی ، تلخابہ ٔ حیات کو بہرصورت شیریں بنانا اور زندگی کو زندہ دل انسانوں کی طرح بسر کرنا ، یہ غالب کی شاعری اور مکتوبات کا نمایاں وصف ہے :

دل لگی کی آرزو بے چین رکھتی ہے ہمیں
ورنہ یاں بے رونقی سود چراغ کشتہ ہے

زندگی کے آلام و مصائب ایک تلخ حقیقت ہیں مگر انہیں نشاط زیست میں بدلنا ترکوں کی حرکی زندگی کا وصف خاص رہا ہے ۔ ہندوستان میں تیموری سلطنت کے بانی ظہیر الدین بابر اپنی مہماتی زندگی کی سخت کوشیوں کو اسی ترکانہ عادت و رویے کے مطابق عیش و نشاط میں بدلنے کا اہتمام کرتے رہے ، اور یہ بابر ہی کا قول نہیں بلکہ حوصلہ مند ترکمانوں کے طرز حیات کا آئینہ دار بھی ہے :

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست !

ترکیہ میں اپنے مختصر قیام کے دوران میں نے ترکی شاعری ، عوامی گیتوں اور موسیقی کو ٹیلی وژن کے ذریعے دیکھا اور سنا ۔ یہاں کی عوامی زندگی کا مطالعہ و مشاہدہ بھی کیا ، اگرچہ مجھے یہاں کے دیہات خصوصاً ایشیائے کوچک میں جانے کا ابھی اتفاق نہیں ہوا ۔ مجھے اس مطالعے و مشاہدے میں ترکوں کی حرکی زندگی اور بشاشت طبع کے ثبوت ملتے رہے ۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہاں پر مسائل زندگی نہیں ہیں ۔ میری نگاہ یہاں کی بعض تلخ حقیقتوں اور گھمبیر مسائل حیات تک بھی پہنچی ہے مگر اس کے باوجود جو قوت ایمانی ، جوش حیات اور جذبہ ٔ حریت یہاں کی عوامی زندگی میں ملتا ہے ، اُس نے میرے مذکورہ بالا خیال کو یقین میں بدل دیا ہے کہ غم و الم کی فراوانی کے باوجود ترک حوصلے اور

---

*مہمان پروفیسر اردو ، استنبول یونیورسٹی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جرأت سے مسائل حیات کا سامنا کرنے میں بے مثال ہیں ۔

ایک چھوٹا سا واقعہ سناتا ہوں ۔ ایک روز میں جامع سلطان احمد سے واپس بیازیت کی طرف آ رہا تھا ۔ اتوار کا دن تھا اور دوپہر کا وقت ۔ معمول کے مطابق ابر و باراں استنبول پر چھائے ہوئے تھے مگر سیاحوں کا بھی ہجوم تھا ۔ اردو جادہ سی تک پہنچتے ہوئے دور سے میں نے دیکھا کہ ایک موچی نے ایک بند دوکان کے تھڑے پر اپنی دوکان سجائی ہوئی ہے ، پرانے جوتے اور مرمت کا سامان اور اوزار ۔ مگر وہ کام سے فارغ اپنے اوزاروں سے کھیل رہا تھا اور ایک والہانہ انداز میں ساز بجا رہا تھا ، اور خود ہی جھوم رہا تھا ۔ اُس کے قریب کوئی نہیں تھا اور شاید صبح سے اُس کے پاس کوئی جوتا مرمت کے لیے بھی نہیں آیا تھا ۔ اُس نے ابھی تک چند لیرے بھی نہیں کمائے ہوں گے جو اُس کی چائے اور خشک روٹی کے لیے کافی ہوں ۔ مگر وہ اس فکر سے بے نیاز تھا ۔ اُس نے اپنی دوکان تو سجائی ہوئی تھی ۔ رزق بھیجنا رازق کے اختیار میں ہے اور اُسے یقین تھا کہ رزق بھیجنے والا اُسے رزق بھیجے گا ۔ اس لیے اُسے کوئی تردد نہیں تھا اور وہ غم روزگار سے بے نیاز ہو کر بڑی محویت سے اپنا ساز بجائے جا رہا تھا اور جھوم جھوم کر زندگی کا حظ اُٹھا رہا تھا ۔ میں قریب سے گزرا تو اُس نے پوچھا ''پاکستان؟'' میں نے اثبات میں جواب دیا ، تو اُس کا ساز اور اُس کا وجد اور بھی تیز ہوگیا ۔ ! یہ ترک محنت کش توکل کا صحیح نمونہ تھا ۔ اللہ تعالی بھی ایسے زندہ دل لوگوں سے محبت کرتے ہیں ۔ جامع نیلگوں سے باہر نکلتے ہوئے صدر دروازے پر یہ کتبہ میری نظر سے گزرا تھا ''الکاسب حبیب اللہ'' اور یہ محنت کش ترک اس کا زندہ ثبوت تھا ۔

اُردو کے مشہور صوفی شاعر خواجہ میر درد کہتے ہیں :

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جاوے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر جب مفتوح بھی پامال ہو چکے تھے اور فاتح بھی نڈھال ہو چکے تھے ، یہ سخت کوش ترکمانوں کا یقین کامل اور جذبۂ حریت تھا جو اس خاک و خون سے بھی انھیں کتاب زندگی کا ایک نیا باب لکھنے پر آمادہ کر رہا تھا ۔ وہ تھکے ماندے اور بے سر و سامان ہونے کے باوجود تائید و نصرت الٰہی پر بھروسہ کرتے ہوئے حرب و ضرب کے میدان میں نکلے اور حقائق کی بھیانک تیرگی میں بھی انھوں نے حریت و آزادی کا یہ روشن باب لکھ کر دنیا کو محو حیرت کر دیا ۔ ہمارے ملی شاعر علامہ اقبال عثمانی ترکوں کے اس تاریخی انقلاب سے ازحد متاثر ہوئے اور انھوں نے خضر راہ اور طلوع اسلام جیسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عہد آفریں نظمیں لکھ کر ترکوں کے اس تاریخی عمل و کردار کو زندۂ جاوید کر دیا ۔ طلوع اسلام کے صرف دو شعر یہاں پیش کر کے اس واقعے کی ایک جھلک دکھانا چاہتا ہوں :

(۱) اگر عثمانیوں پر کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

* * *

(۲) ثبات زندگی ایمان محکم سے ہے دنیا میں
کہ المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے تورانی

اقبال کی شاعری اور افکار کے اس پہلو پر، جو جدید ترکیہ سے متعلق ہے ، میں انشاء اللہ ، کسی اور موقع پر کچھ عرض کروں گا ۔ فی الحال مجھے ادبیات اردو کے حوالے سے عثمانی ترکوں کے بارے میں برصغیر جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے جذبات و احساسات کو پیش کرنا ہے جس میں ہمارے ملی شاعروں اقبال اور ظفر علی خاں کے علاوہ بھی قدیم اور جدید دور کے کئی اور شاعروں اور ادیبوں نے حصہ لیا ہے ۔ یہ تحقیق کا ایک وسیع اور اہم موضوع ہے جس کی تفصیلات میں شاید میں نہ جا سکوں ، مگر ان کی نشاندہی کرنے کی کوشش کروں گا ۔

مقدر کی یہ ایک عجیب ستم ظریفی ہے کہ جب یورپین تاریخ کے قرون وسطیٰ میں حروب صلیبیہ اپنے ناکام انجام کو پہنچے اور اسلامی دنیا ترقی و خوش حالی کے نصف النہار پر تھی، تو زمانے کے احوال و ظروف میں ایک خاموش تغیر رونما ہو رہا تھا ۔ پندرہویں صدی میلادی کے وسط میں سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ فتح کرتے ہیں (۱۴۵۳ء) اور اسی صدی کے اختتام پر اندلس میں مسلمانوں کا آخری حصار غرناطہ مسیحی طاقت کے قبضے میں چلا جاتا ہے (۱۴۹۲ء) اور اسپین میں سات سو سالہ اسلامی اقتدار ماضی کا ایک افسانہ بن جاتا ہے ۔ تاریخ کے اسی دور میں جب یورپ میں احیائے علوم (Renaissance) کی تحریک صورت پذیر ہو رہی تھی ، عثمانی ترکوں کی حدود سلطنت یورپ کے قلب تک پہنچی ہوئی تھیں ، اور دوسری طرف تیموری ترکوں کی حدود سلطنت بھی جنوبی ایشیا کے وسیع و عریض علاقوں تک پھیل رہی تھیں ۔ سولھویں اور سترہویں صدی کے دوران عثمانی ترک دنیا کے تین بر اعظموں یورپ ، ایشیا اور افریقہ کے متصل خطوں کے بلاشرکت غیر مالک تھے اور ان خطوں کے درمیانی سمندروں بحر ابیض و اسود و احمر میں ان کی بحری قوت اتنی فعال اور مستعد تھی کہ اہل فرنگ کیپ کے راستے طویل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بحری راہیں اختیار کرکے اپنی تجارت کے سلسلے کو جاری رکھنے پر مجبور تھے۔ اس کے لیے انھیں اپنی بحری قوت کو زیادہ سے زیادہ مضبوط اور متحرک بنانا پڑا۔ جب کہ تیموری ترکوں کی سلطنت کوہستانی اور میدانی علاقوں میں پھیلی ہوئی تھی اور وہ بحر ہند کو اپنا قدرتی حصار سمجھ کر بحری قوت کی اہمیت سے بے نیاز ہو چکے تھے۔ تقریباً یہی حال دوسرے ایشیائی و افریقی ممالک کا تھا۔ پرتگیزوں کی بحری قزاقی کے سدباب کے لیے ہندوستان کے فرمانرواؤں کی درخواست پر سلطان سلیم اول اور سلیمان قانونی نے چند بار عثمانی بحریہ کو بحر ہند میں بھیجا۔ مگر یہ اس خطرے کا مستقل حل نہ تھا۔ آخر اسی کمزوری کے نتیجے میں یہ ممالک یورپ کی نئی استعماری طاقتوں کے لیے نوالۂ تر ثابت ہوئے۔

اسلامی دنیا، خصوصاً عثمانی سلطنت شمال مغرب میں اور تیموری سلطنت جنوب مشرق میں اپنے اپنے احوال میں خوش حال اور مطمئن تھے۔ کبھی کبھار کے پیغامات خیر سگالی اور ہدیہ ہائے تبریک کے سوا یہ عظیم سلطنتیں ایک دوسرے کے حالات سے بہت حد تک بے خبر اور بے نیاز تھیں۔ جب کہ مسیحی یورپ احیائے علوم (Renaissance) کے بعد جدید علوم کی ترقی اور اپنے صنعتی انقلاب کی بدولت ایک نئی کروٹ لے کر اپنے نو آبادیاتی نظام کو وسعت دے رہا تھا۔ ادھر ''سونے کی چڑیا'' ہندستان اپنی خوش حالی میں محو، تاریک مستقبل سے بے خبر اپنے داخلی حوادث کا شکار ہو رہا تھا۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۷۰۷ء) کے بعد مغل سلطنت خانہ جنگی اور داخلی شورشوں میں مبتلا ہو چکی تھی۔ سیاسی غیر یقینی، معاشی بدحالی اور معاشرتی، اخلاقی قدروں کا زوال اس افسوس ناک صورت حال کا لازمی نتیجہ تھا۔ یہ حالات غیر ملکی حملہ آوروں، خصوصاً یورپ کی استعماری طاقتوں کے لیے کھلی دعوت تھے۔

اردو شعر و ادب کی تخلیق کا ایک وسیع سلسلہ ہندوستان میں مسلمانوں کے عہد زوال سے شروع ہوا۔ ہم اس خیال سے اتفاق نہیں کر سکتے کہ دور زوال کا ادب بھی ہمیشہ زوال آمادہ ہوتا ہے۔ کم از کم اردو ادبیات کے بارے میں یہ بات پوری صداقت نہیں رکھتی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ برصغیر کے طبیعی ماحول اور مخصوص حالات کی وجہ سے یہاں کے ادب میں المیہ احساس کچھ زیادہ گہرا ہے۔ مگر یہ ادب زندگی کے حقائق سے گریزاں نہیں۔ اور پھر اردو ادبیات کی تخلیق کے ساتھ ہی شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۷۰۳ء - ۱۷۶۲ء) کی دینی اصلاحی تحریک کا سلسلہ بھی اسی عہد زوال میں شروع ہوا۔ راقم نے اردو شاعری کے سیاسی اور معاشرتی پس منظر پر تحقیقات کے دوران تنقید حیات کے سلسلے میں قدیم شاعروں کے فکر و احساس کا جائزہ لیا تھا اور اس حقیقت کو ثابت کیا تھا کہ زوال و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انحطاط کے اس دور میں اردو شعرا نے اپنی بساط کے مطابق اقدار حیات کی شکست و ریخت کا ماتم کیا اور معاشرے کی فلاح و بہبود کے خواب دیکھے ۔ اس دور کے شہر آشوبوں میں تو خصوصیت کے ساتھ عسکری انحطاط کے ساتھ ساتھ سیاسی انتشار ، اقتصادی بدحالی اور اخلاقی بے راہ روی کے مرقعے شاعروں نے بڑے سوز و درد کے ساتھ پیش کیے ہیں ۔ جب ہم اس عہد کے ایک نمائندہ شاعر مرزا محمد رفیع سودا (۱۱۲۵ھ - ۱۱۹۵ھ) کے مخمس شہر آشوب کے اس بند پر پہنچتے ہیں ، تو یکایک یک اہم حقیقت سوال بن کر ہمارے سامنے آ جاتی ہے :

غرض مآل ہے اس گفتگو سے یہ میرا
کہ بے زری نے جب ایسا گھر آن کر گھیرا
تو کوئی قصد کرے نوکری کا بہتیرا
نہیں یہ فائدہ کچھ تا وہ چھوڑ کر ڈیرا
کرے نہ عزم سوئے اصفہان و استنبول !

اب تک حکمرانوں کی سطح پر خیرسگالی کے طور پر رسمی نامہ و پیام ہوتا رہا اور وہ بھی کبھی کبھار ، جس کا ذکر نہ عوامی سطح پر ہوا ، نہ ادبی طور پر اس کا کوئی اعتراف ہوا ۔ مگر جنوبی ایشیا کے ابتر سیاسی حالات میں اس عہد کا ایک اہم شاعر پہلی بار اپنے ماحول سے باہر نکل کر جائے پناہ کی تلاش میں باحصول ملازمت کے لیے اصفہان اور استنبول کے اسلامی مرکزوں کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا ہے ۔ تاریخی طور پر یہ ایک نقطۂ تغیر ہے ۔ تقریباً اسی زمانے میں (۱۷۸۷ء) دکن کے مجاہد حریت سلطان فتح علی ٹیپو نے خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالحمید خاں اول کی بارگاہ میں ایک وفد بھیجا تھا تاکہ افرنگیوں کے خلاف جہاد حریت کے مقاصد کو تقویت پہنچے ۔ دہلی کی بربادی کے بعد جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی آخری امیدیں بھی سرنگاپٹم کی تسخیر ، اور سلطان ٹیپو کی شہادت (مئی ۱۷۹۹ء) سے ڈوب جاتی ہیں ۔ اس کے بعد جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے لیے سیاسی اور تہذیبی مرکزیت کے طور پر ایران ، افغانستان اور ترکی کے مراکز ایک علامتی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں ۔ خصوصاً استنبول کا مرکز خلافت مسلمانوں کی امیدوں اور آرزوؤں کا سرچشمہ بن جاتا ہے ۔ مگر نوارینو (Navarino) کی تباہ کن ہزیمت (۱۸۲۷ء) کے بعد امید اور آرزوؤں کا یہ مرکز بھی زوال آمادہ ہو جاتا ہے ۔

انیسویں صدی دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے آلام و مصائب کا دور تھا ۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی میں اپنی گم شدہ عزت و شان کی بازیافت کی کوشش کی ، جس کے بعد وہ برطانوی استعمار کی منتقمانہ حکمت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عملی کا نشانہ بنے رہے۔ اس الم انگیز صورت حال میں سید احمد خاں نے حالات کو اعتدلال پر لانے کی پوری کوشش کی اور حکمرانوں اور محکوموں میں مفاہمت کی راہیں تلاش کیں۔ سرسید نے ہندی مسلمانوں کی معاشرتی، اخلاقی اور مجلسی عادات کی اصلاح کے لیے ۱۸۶۹ء میں ایک ہفتہ وار جریدہ ''تہذیب الاخلاق'' جاری کیا اور انہیں جدید تعلیم کے حصول پر بھی آمادہ کیا۔ اس معاملے میں اُن کے سامنے مغرب کے تہذیبی خیالات بھی تھے اور عثمانی ترکوں کے تجربات بھی۔ چنانچہ ''تہذیب الاخلاق'' کے افتتاحی پرچے میں اپنے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے انھوں نے اپنے ہم عصر سلطان روم عبدالعزیز کے نامزد اس تحقیقاتی کمیشن کا بھی حوالہ دیا ہے جس کے سربراہ سلطان کے وزیر فواد پاشا تھے۔ سرسید نے اپنے افتتاحی ادارئیے میں فواد پاشا تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ سے دو فقروں کا اردو ترجمہ بھی پیش کیا ہے، جو یہ ہے:

''اسلام میں وہ سب سچی باتیں ہیں جو کہ دنیا کی ترقی کو حاصل کرنے والی اور انسانیت اور تہذیب اور رحم دلی کو کمال کے درجے پر پہنچانے والی ہیں۔ مگر ہم کو اپنی بہت سی رسوم و عادات کو جو اگلے زمانے میں مفید تھیں مگر حال کے زمانے میں نہایت مضر ہوگئی ہیں، چھوڑنا چاہیے۔''

مغربی اثرات کے ساتھ ساتھ ترکیہ کے تجربات سے استفادے کا ایک باقاعدہ سلسلہ یہاں سے شروع ہو جاتا ہے جو یورپ سے ہمسائیگی کی بدولت ان مسائل سے بہت پہلے دوچار ہو چکا تھا۔ یورپ کی بساط سیاست پر مختلف حریف طاقتیں کارفرما تھیں۔ آپس کی کشمکش کے علاوہ عثمانی ترک بھی اُن کا ہدف تھے۔ روس اور برطانیہ کی مفاداتی چپلقش کے نتیجے میں جنوبی ایشیا کے محکوم مسلمانوں کو بھی اپنے ترک بھائیوں سے اظہار ہمدردی کے مواقع مل جاتے تھے۔ چنانچہ جنگ کریمیا اور روس و روم کی جنگ ۱۸۷۷ء میں برطانیہ کی حکمت عملی کا اشتراک ترکوں سے تھا اور ہندوستانی مسلمانوں کو اپنے جذبات کے اظہار کا موقع مل رہا تھا۔ ان محاربات کی خبریں بھی آتی تھیں اور دیسی پریس میں خبریں اور خبروں پر تبصرے چھپتے تھے۔ چندے بھی جمع ہوتے تھے اور مرکز خلافت استنبول کو روانہ کیے جاتے تھے۔ اس طرح انیسویں صدی میں ترک مسلمانوں کے ساتھ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی جذباتی ہم آہنگی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ عثمانی ترک آزاد تھے اور یورپی استعمار کی یلغار میں اپنی بقاء کے لیے نبرد آزما اور داخلی اصلاح کے لیے کوشاں تھے۔ جنوبی ایشیا کے مسلمان محکوم تھے مگر وہ اپنے ترک بھائیوں کی آزادی کے لیے دعاگو بھی تھے اور محکومی کی حالت میں جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عملی امداد وہ کر سکتے تھے اُس سے دریغ نہیں کرتے تھے ۔ اس دور کا اردو ادب بھی ان احساسات کا آئینہ دار تھا ۔

اُنیسویں صدی کے بدلتے ہوئے حالات میں اردو ادبیات کا تعلق ہمارے موجودہ موضوع سے براہ راست قائم ہوگیا تھا ۔ تہذیب الاخلاق میں بھی عثمانی ترکوں کے اصلاحی رجحانات کا تذکرہ ہوتا تھا ۔ انجمن پنجاب کے رسائل اور لاہور، دہلی، لکھنؤ اور جنوبی ایشیا کے دوسرے شہروں کے اردو اخبار و جرائد اپنے محدود وسائل کے باوجود عثمانی ترکوں کے بارے میں خبروں کے اہتمام کے ساتھ ساتھ حالات پر تبصرے شائع کرکے جمہور کے جذبات کی ترجمانی کر رہے تھے جو عثمانی سلطنت اور مرکز خلافت کے بارے میں باخبر رہنے کے متمنی تھے ۔ یہ واقعات صحافت کے علاوہ اردو ادب کا موضوع بھی بن رہے تھے ۔ عبدالحلیم شرر کا ناول حسن انجلینا اور سرشار کا فسانۂ آزاد جنگ روم و روس (۱۸۷۷ء) کے پس منظر میں لکھے گئے ۔ فسانۂ آزاد کا ہیرو سلطان روم کے جھنڈے تلے روسیوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے محاذ جنگ پر بھی جا پہنچتا ہے ۔ یہ ہندوستانی مسلمانوں کے احساسات کا علامتی اظہار تھا۔ اس دور کے مشہور شاعر اکبر الہ آبادی نے اس جنگ کے بعض واقعات کی روشنی میں ایک طویل رزمیہ نظم بھی کہی ۔ مولانا شبلی نعمانی اُنیسویں صدی کے آخری عشرے (۱۸۹۲ء) میں استنبول کے کتب خانوں سے سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں اپنی تاریخی سوانح عمری ''الفاروق'' کے لیے ضروری مواد فراہم کرنے کے لیے آتے ہیں اور چند ماہ کے یہاں قیام کے بعد سفرنامہ روم و شام لکھ کر ارو ادبیات میں عثمانی ترکوں کے حالات کے بارے میں دلچسپی پیدا کرتے ہیں ۔ اس مختصر جائزے کے حوالے سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ انیسویں صدی کے اختتام تک عثمانی ترکوں کے مسائل و حالات کے بارے میں اردو کے قابل ذکر شاعر و ادیب دلچسپی پیدا کر رہے تھے اور ترکوں کی خوشی کو اپنی خوشی اور اُن کے غم کو اپنا غم سمجھ رہے تھے ۔

بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ یہ موضوع اردو ادبیات میں بے مثال اہمیت حاصل کر لیتا ہے اور نثر و شعر میں بیشمار تخلیقات اردو ادب کا حصہ بن جاتی ہیں ۔ ۱۹۰۱ء میں شیخ عبدالقادر مدیر ''آبزرور'' نے اردو کا معیاری ادبی پرچہ ''مخزن'' جاری کیا جو مشرق و مغرب کے صحت مند خیالات کے امتزاج کا آئینہ دار تھا ۔ در حقیقت ''مخزن'' کے ذریعے اردو ادبیات میں جدید دور کی وہ نوجوان نسل ہمارے سامنے آتی ہے جو جدید مغربی تعلیم سے آراستہ تھی ۔ یہ وہ باشعور نوجوان تھے جن کا دل مشرقی تھا، اور دماغ نے مغربی خیالات سے بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استفادہ کیا تھا ۔ شیخ عبدالقادر کے علاوہ شیخ محمد اقبال (جو بعد میں ملی شاعر کے طور پر نامور ہوئے) ، ظفر علی خاں (جو بابائے اردو صحافت کہلائے) ، سجاد حیدر یلدرم ، غلام بھیک نیرنگ اور بہت سے دوسرے نوجوان شاعر و ادیب مخزن کی نئی ادبی تحریک کے ساتھ میدان ادب میں آئے ۔ مشرق و مغرب کے تصادم اور پھر امتزاج کے نتیجے میں عثمانی ترکوں نے جو تجربات حاصل کیے تھے ، اُن سے بھی اس نئی نسل کے ادیبوں نے استفادہ کیا ۔ سجاد حیدر یلدرم اس لحاظ سے اس حلقے کے ادیبوں میں منفرد ہیں کہ انھوں نے براہ راست ترکی ادیبوں کا مطالعہ کیا ، اور اُن کی بیشتر تخلیقات جدید ترکیہ (انیسویں صدی) کے رومانوی ، معاشرتی اصلاحی افسانوں سے ماخوذ ہیں ۔ انھوں نے نامور ترکی ادیب نامق کمال بے کی تألیف جلال الدین خوارزم کو بھی اردو کا لباس پہنایا ۔ خارستان اور گلستان کے مصنف احمد حکمت بے کے بعض افسانوں اور حکایات کو بھی اردو میں پیش کیا ۔ شیخ عبدالقادر نے اگست ، ستمبر ۱۹۰۶ء میں استنبول کی سیاحت کی ، اور یہاں کی تہذیبی و معاشرتی زندگی اور تعلیمی صورت حال پر معلومات افروز مضامین کئی قسطوں میں لکھے اور "مقام خلافت" کے عنوان سے باتصویر کتابی صورت میں بھی اس سفرنامے کو شائع کیا ۔ (موقع ملا ، تو انشاء اللہ اس سفر نامے کے حوالے سے اسی سال پہلے اور آج کے استنبول کا تجزیہ پیش کروں گا) ۔ مولانا ظفر علی خاں نے بھی مخزن میں اور پھر اپنے جریدے "دکن ریویو" میں معاشرتی ، اخلاقی افسانے ، ڈرامے پیش کیے ۔ دکن ریویو کا ۱۹۰۷ء میں ایک ضخیم عالم اسلام نمبر شائع کیا گیا جس میں عثمانی سلطنت سمیت ممالک اسلامیہ کے حالات و کوائف سے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو پہلی بار تفصیل سے متعارف کرایا گیا ۔

لاہور میں آنے کے بعد مولانا ظفر علی خاں نے اپنا مشہور روزنامہ "زمیندار" نکالنا شروع کیا جو عثمانی ترکوں کی ترجمانی کے سلسلے میں جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کا اہم صحیفہ تھا ۔ اُس زمانے میں عثمانی سلطنت پر یورپی طاقتوں کی یلغار نے تشویشناک صورت اختیار کر لی تھی ۔ ۱۹۱۱ء میں اطالیہ نے طرابلس (لیبیا) پر حملہ کیا اور ۱۹۱۲ء میں بلقانی ریاستوں نے یورپی ترکی پر یورش کر دی اور ادرنہ کے نواح پر قابض ہوگئیں ۔ طرابلس اور بلقان کی جنگوں نے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں میں ایک ہیجان و اضطراب پیدا کر دیا جس سے یہاں کی سیاسیات اور ادبیات نے بہت زیادہ اثرات قبول کیے ۔ عثمانی ترکوں کی امداد کے لیے چندے جمع کر کے استنبول بھیجے گئے ۔ خواتین نے اپنے زیورات تک چندے میں دے دیے ۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی قیادت میں ہلال احمر کا ایک طبی وفد محاذ جنگ پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زخمیوں کی مرہم پٹی کے لیے بھیجا گیا ۔ اردو شعر و ادب میں مسلمانوں کے درد و غم کا اظہار بھرپور طور پر ہوا ۔ اس زمانے میں صحافت اور ادب کا چولی دامن کا ساتھ ۔ ''زمیندار'' جنوبی ایشیا کے جمہور مسلمانوں کے دل کی دھڑکن بن گیا تھا ۔ اس خطے کے مسلم عوام پہلی بار صحافت کی اہمیت اور طاقت سے کامل طور پر آشنا ہوئے تھے ۔ مولانا ابو الکلام آزاد کا الہلال ، مولانا محمد علی جوہر کا ہمدرد اور کامریڈ (انگریزی) ، مسلم گزٹ لکھنؤ اس دور کے مشہور اور نمائندہ ملی اخبار تھے ۔ مولانا شبلی نعمانی نے بلقانی یلغار پر ''شہر آشوب اسلام'' لکھ کر مظلوم مسلمانوں کے اشک غم کی تصویر کھینچ دی ۔ اقبال نے کئی طویل اور مختصر نظمیں شکوہ ، جواب شکوہ ، شمع و شاعر ، حضور رسالت مآبؐ میں ، محاصرۂ ادرنہ ، فاطمہ بنت عبداللہ لکھ کر اس دور کے احساسات کو لازوال بنا دیا ۔ اقبال کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا مگر وہ ان الم انگیز حالات میں بھی امید و رجا کے چراغ جلا رہے تھے ۔ شمع و شاعر کا امید افزا لہجہ اُن حالات میں ایک خوش آئند خواب تھا مگر نصف صدی کے اندر یہ خواب ایک حقیقت بن گیا ۔ اردو کے مشہور ڈراما نگار آغا حشر کاشمیری نے اس الم انگیز ماحول میں ایک لافانی نظم ''شکریۂ یورپ'' لکھ کر اپنی ڈرامائی بلاغت سے افسردہ دلوں میں ولولۂ تازہ پیدا کر دیا ۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ بیسویں صدی کے دوسرے عشرے کا اردو ادب عثمانی ترکوں کی حمایت سے لبریز تھا ۔ یاس انگیز حالات میں اقبال ، ظفر اور حشر کی شاعری نے امید و رجا کی شمعیں جلا کر زندگی میں جو حرکت اور حرارت پیدا کی ، یہ اردو ادبیات میں بے مثال ہے ۔ اس شاعری نے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں میں ایک نیا جوش و جذبہ پیدا کیا ۔

پہلی جنگ عظیم میں عثمانی ترک جرمنی کے حلیف کے طور پر اتحادیوں (برطانیہ ، فرانس ، اٹلی وغیرہ) کے خلاف شریک جنگ ہوئے ۔ مولانا محمد علی جوہر نے اس موقع پر (Choice of the Turks) کے عنوان سے ایک طویل و بسیط تاریخی مقالہ افتتاحیہ ''کامریڈ'' میں لکھ کر جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کی ۔ جنگ کے بعد جنوبی ایشیا کے مسلمانوں نے عثمانی سلطنت و خلافت کی بقاء کے لیے ایک عظیم الشان تحریک خلافت شروع کی ۔ یہ عدیم النظیر تحریک اگرچہ اپنے فوری مقاصد میں بوجوہ ناکام رہی ، مگر اس نے برطانوی استعمار کی بنیادیں ہلا دیں ۔ برطانوی ظلم و استبداد کا خوف کسی دل میں بھی نہ رہا ۔ ساٹھ برس کے بعد ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی ، قربانی اور جد و جہد کے ایک نئے دور میں داخل ہوگئی ۔ یہ تحریک عثمانی ترکوں کی حمایت میں شروع ہوئی اور اپنی آزادی کی بھی علامت بن گئی ۔ جنگ عظیم کی شکست و ریخت کے بعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترکوں کے ناقابل شکست عزم نے جہاد حریت کا علم بلند کیا تو جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی تمام تر ہمدردیاں اُن کے ساتھ تھیں ۔ جنگ عظیم کے بعد کا ادب اردو اس تاریخی جد و جہد کا نمائندہ و ترجمان ہے ۔ اقبال کی دو تخلیقی شہکار نظموں ''خضر راہ'' اور ''طلوع اسلام'' کا ذکر ہم شروع میں کر آئے ہیں ۔ دوسرے ادیبوں اور شاعروں نے بھی اس ''روح عصر'' کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا ۔

جدید جمہوریہ ترکیہ کے قیام (۲۹ اکتوبر ۱۹۲۳ء) اور خلافت کی تنسیخ (۳ مارچ ۱۹۲۴ء) کے بعد یہ موضوع ایک دوسرا رخ اختیار کر لیتا ہے جس کی دلپذیر حکائیتیں اور محبت آمیز شکائیتیں ، انشاء اللہ ، کسی اور موقع پر بیان ہو سکیں گی ۔

(استانبول یونیورسٹی ادبیات فیکلٹی کے سیمنار ۲۶ مارچ ۱۹۸۶ء میں پڑھا گیا) ۔

© rasailojaraid.com